ضبط کی دیوار کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ناہید ناز[1]

Abstract:

"Zabt ki Deewar is a novelet by Dr. Saleem Akhtar in which he has uccessfully tried to bring forth the motherly feelings of a prostitute. The mental, nervous & physical state of the characters in the novelet are displayed through experties in Psychology in such a way that it has made the novelet in relation to its topic a unique & unmatchabl creation. In Urdu literature the topic on prostitute is a much discussed subject but Dr. Saleem Akhtar by bringing out the motherly aspect has given it a new direction.

An analytical study of Zabt ki Deewar is presented in this article."

ڈاکٹر سلیم اختر کے ناولٹ ضبط کی دیوار کا پہلا ایڈیشن1976ء،دوسرا1995ء،تیسرا ایڈیشن 2004ءمیں افسانوی کلیات کے ساتھ شائع ہوا-1980ءمیں لکھنؤ سے اس کا ہندی زبان میں ترجمہ ہوا جو نصرت پریس لکھنؤ سے شائع ہوا جب کہ1986ءمیں اس کا ہندوستانی ایڈیشن شائع ہوا-2010ءمیں جامعہ ازہر ،قاہرہ (مصر)کی ایک طالبہ نیفین عمر و حسانین نے اس کا جدادالصبر کے نام سے عربی زبان میں ترجمہ کیا ۔ (۱)

ضبط کی دیواربظاہر ایک سیدھی سادی کہانی ہے جو ایک طوائف کے گرد گھومتی ہے ۔طوائف اُردوادب کا مستقل موضوع ہے جس کا سلسلہ داستانوں،حکایات اور قصّے کہانیو ں سے ہوتا ہوا، مرزا ہادی رسوا ،سعادت حسن منٹو ،،ممتاز مفتی اور عصمت چغتائی سے آملتا ہے ۔ ضبط کی دیوار میں ڈاکٹر سلیم اختر نے طوائف کا کردار منفرد اور اچھوتے انداز میں بیان ہے ۔اس موضوع کو انھوں نے مختلف جہتوں سے اتنی کامیابی سے پیش کیا ہے کہ بلاشبہ اس پیش کش کو روایت پر اضافہ کے عمل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔بحیثیت تخلیق کار، جب انھوں نے افسانہ نگاری شروع کی تو ان کی خواہش تھی کہ وہ طوائف میں مامتا کے موضوع پرافسانہ قلم بند کریں۔(۲) یوں ضبط کی دیوارکی تخلیق کی صورت میں انھوں نے اس خواہش کی تکمیل کردی ۔ڈاکٹر سلیم اختر کی نفسیات سے دل چسپی نے انھیں کرداروں کے ذہنی ،عصبانی اور نفسی کیفیات کو سمجھنے ،پرکھنے اور بے باک انداز سے بیان کر دینے کا گُر سکھایا ہے ۔اس ناولٹ کا محور طوائف کے دل میں چھپی مامتا کے گردگھومتا ہے کہ کیا ایک طوائف ماں کہلوانے کی آرزو کاحق رکھتی ہے ؟اورکیا معاشرہ اسے ماں اور مامتا کے لطیف احساس کا حق دینے کا روادار ہے ؟

ہیئت اور پیش کش کے اعتبارسے ضبط کی دیوارناولٹ کی بجائے طویل مختصر افسانہ کے قریب ہے کیوں کہ اس میں تا ثر کی وحدت ہے جو افسانہ کی بنیادی خصوصیت ہے۔یہ موضوع،بُنت اور اظہار کے حوالے سے منفرد انداز کا ترجمان ہے ۔یہ متوسط طبقے کی کہانی ہے ،جہاں ارشد (ناولٹ کا مرکزی کردار)کی ذہنی تربیت معاشرتی رجحان کے مطابق دینی ماحول میں ہوئی۔نماز روزہ کی پابندی ،نیک طینتی ، بلند اخلاقی اور دین کی خدمت ان کے گھریلو مزاج کا حصہ تھی۔ارشد کا والد، حاجی محمد اشرف صدیقی ،مسجد کے امام، والدہ پانچ وقت کی نمازی ، جس نے گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکا تک نہ ہو ۔ بیٹا (ارشد)بھی گھر،مسجد اور سکول کے مثلث میں تربیت پاتا رہا ۔آہستہ آہستہ ماحول بدلا ،دوست بدلے اور لاشعوری طور پر اس کی شخصیت میں تبدیلیاں آنا شروع ہو گئیں ۔حاجی محمد اشرف، محلے کو اخلاقی بے راہ روی سے پاک کرنے کی مہم میں مصروف تھا۔ اسے کیا علم تھا کہ جس مہم

---

[1]اسسٹنٹ پروفیسر (اردو)گورنمنٹ کالج برا ئے خواتین ،اٹک

کے تحت وہ محلہ کو بے حیائی کی غلاظت سے پاک کرنا چاہتا ہے،اُس کا بیٹا خود اُسی غلاظت میں پھنس جائے گا ۔یہاں شاہین مفتی کی رائے فائق ہے جو اس اخلاقی پراگندگی میں ملوث محلہ کی اخلاقی اور نفسیاتی کیفیتوں کی طرف اشارہ کناں ہے کہ جن گھر انوں کے ناپاک وجود کو حاجی صاحب محلے سے باہر نکلنے کی سعی میں مصروف ہیں اور راہ چلتوں سے صحیح کلمہ پڑھانے کی مہم پر مامور ہیں، وہاں ان کا اپنا بیٹا اخلاقی بے راہ روی کا شکا ر ہو کر طوائف کے چکر میں پھنس جائے گا۔[۳]

ضبط کی دیوار بظاہر معاشرے کی عام سی کہانی ہے لیکن شعری اصطلاح میں اس پر سہلِ ممتنع کو منطبق کیا جاسکتا ہے۔ یہ سادہ الفاظ اور سلیس پیرائیہ اظہار کے بطون میں گہرے نفسیاتی رموز پنہاں رکھے ہوئے ہے ۔کہانی عام اور سیدھے انداز میں آگے بڑھتی ہے لیکن یہ سادہ اور عام جملے اپنے اندر تہ در تہ معنویت ،پہلو داری اور گہرے نفسیاتی رموز و علائم لیے ہوئے ہے۔غیر متوازن اور غیر معتدل رویے،اعصابی تناؤ،گھٹن ،ذہنی و جذباتی خلفشار، شعور اور لا شعور کے درمیان کش مکش کہانی میں شروع سے آخر تک تواتر سے موجود ہے ۔مرکزی کردار، ارشد کی شخصیت متضاد رویوں اور پیچیدہ ذہنی و نفسی کیفیات کی عکاس ہے ۔ارشد،خیر و شر کے درمیان مسلسل الجھتا رہا اور کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا تھا ۔ ضبط کی دیوارمیں یہ جملے ارشد کی نفسی کیفیات کے غمازہیں:

''آج اس سفید اور پاک بستر پرارشد کو ایک بہت بڑا دھبہ نظر آرہا تھااور وہ دھبہ تھا ارشد کا اپنا وجود ! شاید اسی لیے ہمیشہ کی مانند آج وہ نیند سے دُور تھا ،اتنا ہی دُور جیسے سمندرکا دوسرا کنارہ !اِس صاف ستھرے ، اُجلے اور پاک بسترکے مقابلے میں اُسے وہ بستراوربھی گندا اور ناپاک دکھائی دے رہا تھا ۔ یہ بستر اور وہ بستر !اِن دونوں بستروں میں محض صفائی اور گندگی ہی کا فرق نہ تھا بل کہ دو دنیاؤں کا فرق تھا!اور آج وہ ا ن دونوں دنیاؤں کو ملانے والے راستے کو طے کر چکا تھا،مگر ےہ راستہ اس کے لیے کانٹوں بھرا ثابت ہوا تھا ۔''[۴]

اسے بار بار یہ ندامت بھرے خیال آرہے تھے کہ وہ اس حاجی اشرف کا بیٹا تھا جس کا ایمان داری کا سارا محلہ گواہ تھا، جس نے محلے سے بدکار حکم رانوں کا اخراج کر دیا تھا، جس کے ماتھے اور ٹخنوں پر سجدوں کے اَن مٹ نشان کندہ ہیں ۔ بتدریج ارشد کے ذہن کے دریچے کھلتے جاتے ہیں اور کہانی میں تجسّس اور دل چسپی کا عنصربڑھتا جاتا ہے ۔کہانی کے بنیادی کردار، ارشد ،طوائف ،حاجی محمد اشرف اور سرفراز ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد نے ان کرداروں کو معاشرتی جبر کی پیداوار قرار دیا ہے ۔جہاں معاشرتی قدغنوں اور پابندیوں کے تحت کردار فطری انداز میں نشوونما نہیں پاتے بل کہ گھٹے ہوئے ماحول کی بِنا پر نفسی الجھنوں اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں ۔اُن کا خیا ل ہے کہ:

''یہ جبر طبقاتی سماج کا و ہ تشددہے جس میں چہرے اور کردار بگڑ جاتے ہیں ،جہاں کردار اپنے فطری تناظر میں پروان نہیں چڑھتے بل کہ انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ تناظر میں ایک مقرر کردہ شکل میں اپنی افزائش کریں۔''[۵]

ہر کردار کی نفسیات،مخصوص معاشرتی پس منظر کی عکاس ہے۔ارشد، گھر اور باہر کے ماحول کے درمیان مطابقت پیدا نہیں کر سکتا اس لیے شدید اعصابی تناؤ اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے ۔طوائف ،معاشرتی نفرت اور حقارت کا شکار ہے اور ملعون ومطعون ہونے کے باوجود معاشرے کی شدید ضرورت بھی ہے؛اُس پر رقوم بھی نچھاور ہوتی ہیں اور اُسے دھتکارا بھی جاتا ہے ۔پھر طوائف کی اندر مامتا کا وجود ،ایک چونکا دینے والا موڑ ہے ؛جہاں وہ ارشد کو دوبارہ اس لیے ملنے کے لیے بلاتی ہے کیو ں کہ ارشد کے روپ میں وہ اپنا بچھڑا ہوا بیٹا(اکبر) پا لیتی ہے۔ناولٹ کا یہ منظر ملاحظہ کیجیے:

''وہ حیر ت زدہ منہ اُٹھائے اسے دیکھ رہا تھا کہ وہ اس پر جھکی ۔اُس نے منہ سے نکلتی سانس کی نمی اور بُو کو چہرے پر محسوس کیا ۔اُس نے کُرسی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی کہ معاً دونوں ہاتھوں کے دباؤ نے اُسے اٹھنے نہ دیا ۔اب وہ بے قابوہو کر بول رہی تھی ۔''وہ تم ایسا ہی تھا ،تم ایسا ہی تھا ۔میرے چاند ، میرے بچے! ''ان سکڑی آنکھوں کی گد لاہٹ پانی میں تبدیل ہوئی

اور آنسو ڈھلک کر ارشد کے گالوں پر گرے ۔وہ گھبرا چکا تھا اور خود کو چھڑانے کی کوشش بھی کر رہا تھا ،مگر اب وہ اس کی بانہوں کے شکنجے میں تھا ۔میرے بیٹے !میرے چاند!وہ اسے دیوانوں کی طرح لپٹا رہی تھی ---''وہ بھی تم جیسا ہوتا ،میرا اکبر ! وہ اگر مجھ سے بھاگا نہ ہوتا تو آج میَں بھی اُسے کالج میں پڑھاتی میَں سے بابو بناتی۔''(۶)

یہاں طوائف کے لاشعور میں دبی ہوئی خواہش کے شعور میں آجانے کا منظر ہے جب کہ ارشد اُس طوائف کو کسی بھی صورت میں اپنی ماں کے ساتھ مقابل نہیں رکھ سکتا تھا نہ ہی ماں کی حیثیت سے قبول کر سکتا تھا۔ اُس کی نیک طینت،پارسا ماں کے ساتھ کیا تقابل ؟لہٰذا ارشد پر شدید نفرت کا جذبہ غالب آجاتا ہے ۔دراصل یہ اتنا اچانک اور فوری تھا کہ ارشد کواس رُخ پر سوچنے کا موقع ہی نہ دیا گیا ۔افسانہ نگار نے اس کے لیے اگر کوئی ماحول تیار کیا ہوتا تو شاید انسانی ہم دردی کے تحت ارشد کو ڈھب پر لایا جا سکتا تھا کیوں کہ وہ ایک نیک طینت نوجوان تھا ۔ بقول قمر ندیم:

''ضبط کی دیوار عنفوانِ شباب کے اندرونی اضطراب اور بے چینی کی نقشہ کشی ہے۔ ارشد عمر کی ایسی ہی منزل میں ہے اور جسم میں سراٹھاتے ہار مونز اور ان سے پیدا ہوانے والے جذبوں اور سخت گیر اخلاقی، مذہبی تربیت کے درمیان ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفرکےشش وپنج میں مبتلا ہے ۔ہم اس کے ایمان کو متزلزل دیکھتے ہیں۔منہ زور جذبے اور ہم جماعت شریری لڑکوں کی قوال پارٹی اسے اپنے والدبزرگوار سے کھینچ کھینچ کر دُور کر دیتی ہے مگر اس کی تربیت اسے واپس وہیں لے جاتی ہے۔۔مگر اچانک کم عمری کی مہم جوئی ارشدکو ایک نرے گوشت پوست کے ڈھیرتک کھینچ کر لے جاتی ہے جو اس معاشرے میں منہ زور جذبوں کی آگ سرد کرنے کی ایک سبیل سے زیادہ نہیں۔یہیں یہ نر ا نفسیاتی مطالعہ ایک افسانہ بن جاتاہے ،جب اس گوشت کے ڈھیر میں سے مامتا جیسے نیک جذبے کی انسانی چیخ بلند ہوتی اور ہم ابتدائی تربیت کے اسیر ارشد کو کانوں میں انگلیاں ڈالے انسانی چیخ سے دُور بھاگتے دیکھتے ہیں۔''(۷)

تاہم افسانہ نگار کا مقصد ہی اس تصادم کو اجاگر کرنا تھا اس لیے وہ طوائف کو کسی قسم کاجذباتی سہارا دینے کے لیے تیار نہ ہوا ۔ارشد ایسی ذہنی سطح پر تھا جہاں وہ زندگی کو کسی اصلاحی پروگرام کے تحت قبول کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا ۔ارشد کا یہ رویہ فطری تھا اور اس کے کردارو عمل اور گھریلو تربیت کا تقاضابھی ۔مرزا ادیب،ڈاکٹر سلیم اختر کے اِس نفسیاتی رمز شناسی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اگر میں سلیم اخترکے اس ناولٹ کو ایک سطر میں بیان کرنے کی کوشش کروں توکہہ سکتا ہوں کہ یہ نفسی رُوداد ہے دو کرداروں کی جن میں سے ایک نے کچھ پانے کی تگ و دو کی مگر اس کی یہ تگ و دو تجرباتی سطح پر ناکام رہ گئی اور دوسرے کردار نے جو کچھ پایا اسے فوراً کھو دیا ۔''(۸)

ضبط کی دیوارمیں منافقانہ رویوں اور متضاد رجحانات کے حامل ایک اور کردار، حاجی محمد اشرف (ارشد کا باپ)کا ہے جب وہ اکبر کونماز نہ پڑھنے پر سخت سر زنش کر رہا ہوتا ہے اور عین اُسی لمحے جب اُس کا منشی انکم ٹیکس کا رجسٹر دابے چلا آرہا ہوتا ہے تو ارشد کو بغیر سزا دیے چھوڑ دیتا ہے ۔ یہاں حاجی محمد اشرف کی پارسائی اور نیک طینتی کا بھانڈا پھوٹتا ہے ۔حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکس میں منشی سے ہیرا پھیری کروا کر ٹیکس میں ممکنہ کمی کی ترکیبیں سوچی جاتی ہیں ۔نمود ونمائش کے لیے مسجد کی دریوں اور پنکھوں کے لیے چندہ اکھٹاکیا جاتا ہے۔ بعد میں اپنے دیے گئے عطیات اور چندوں کی تفصیل مسجد سے باہر سنگِ مر مر کی تختی پر کندہ کرائی جاتی ہے ۔یہ کردار کے دوغلے پن کا اظہار ہے ۔

ارشد کے دوست سرفراز کا کردار کہانی کو آگے بڑھانے میں مہمیز کا کام دیتا ہے ۔جہاں کہیں ارشد اپنے پچھلے ماحول کی طرف مراجعت کرنے لگتاہے ،سرفراز اُسے دھکیل کر آگے کر دیتا ہے۔یوں ارشد اپنی انا کو مجروح ہونے سے بچانے کے لیے آگے بڑھتا چلا جاتاہے کیوں کہ اُسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ پیچھے مڑنے پر اُس کے دوست اُس کا ریکارڈ لگائیں گے ،اُسے بزدلی کا طعنہ دیں گے اور یوں

اُ س کی انا کو ٹھیس پہنچے گی ۔ناولٹ میں موجود تمام کرداروں میں سرفراز سب سے بے باک اور اعتمادِ ذات کا حامل ہے جوکہانی کے ہر موڑ پر بطور ایک لیڈرسامنے آتا ہے ۔ارشد اور سرفراز کے مابین یہ مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

''تم بے وقوف ہو''۔سرفراز نے کہا ۔''میَں تو یاروں کا یار ہوں ۔''پھر اُس نے وہ بات کہہ دی جو کہنا چاہتا تھا ۔''ایک بات ہے ،تمہارا کھویا ہوا اعتماد صرف وہی دے سکتی ہے ۔''

''سرفراز ''

''برا ماننے کی بات نہیں یہ تو ---''

''شٹ اپ ''وہ رات بھی کروٹیں بدل کر ہی گزاری ۔

سرفراز کی بات تلخ سہی ،مگر غلط نہ تھی ،اب کا اب اسے یقین ہو چکا تھا ،اس کے باوجود اگلی صبح اُ س نے سرفراز کوانکار میں جواب دیا ۔''(۹)

مزیددیکھیے:

''اُسے تمہارے نہ جانے کا بہت دکھ ہو ا۔''

ارشد مسرت محسوس کیےبغیر نہ رہ سکا۔

''کل تو عجیب حالت تھی اُس کی ۔''سرفراز نے اُسے بتایا۔

''پہلے تو وہ ادھر ادھر کی ہانکتی رہی،پھر ایک دم رونے لگی ۔''

''رونے لگی ؟''

''ہاں ہاں رونے لگی ---''

سرفراز نے اعتراف کیا ۔''میَں نے بھی اُس کے رونے پر کافی غور کیا اور بالآخر ایک بات سمجھ میں آئی ''کیا؟''

''اُسے تم سے عشق ہو گیا ہے'' (۱۰)

''--- ارشد بے وقو ف نہ بنو ۔زندگی تجربات کا نام ہے ۔''(۱۱)

''آخر سرفراز سے دو دن کی بحث اور مسلسل سوچ و بچار کے بعد ارشد اس کے پاس صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی دن کے وقت جانے کو مان گیا ۔''(۱۲)

ضبط کی دیوارکے تمام مناظر راولپنڈی اور گردو نواح میں پھیلے علاقے سےمتعلق ہیں۔مری روڈ ،مال روڈ، راجہ بازار ،منڈی اور پل پار کا وہ علاقہ جس کا ذکر ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی آپ بیتی نشانِ جگر سوختہ میں کیا ہے،وہی مناظر اپنی تمام تر جزیات کے ساتھ ناولٹ میں بھی موجود ہیں۔پھر ارشد کا سنِ و سال بھی وہی ہے جو ڈاکٹر سلیم اختر کا تھا جب وہ کالج میں سال اوّل کے طالب علم تھے۔ مناظر اور واقعات کی اِس مطابقت کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر نے راقمہ کو بتایا:

'' ناولٹ میں منظر کشی کے حوالے سے راول پنڈی اور گردو نواح کا علاقہ وہی ہے جب میَں وہاں کے اصغر مال کالج میں بطور طالب علم رہا ۔ ضبط کی دیوارمیں متذکرہ مشاہدات اور بیش تر واقعات میری حقیقی زندگی سے متعلق ہیں۔وہاں کی سڑکوں ،بازاروں ،منڈیوں میں میَں گھوما پھرا ہوں اور وہاں کی طرزِ بودوباش اور معاشرتی زندگی کوضبط کی دیوار میں پیش کرنا میرے شعوری عمل کا حصّہ ہے ۔''(۱۳)

ناولٹ میں راول پنڈی کے راجہ بازار سے آگے منڈی اور پھر پُل پار کے علاقے کا تذکرہ اس طرح سے بیان ہوا ہے:

''منڈی ،پولیس چوکی اور لاریوں کے اڈے کے بعد جب پُل شروع ہو گیا تو ارشد نے اپنا دِل بیٹھتا محسوس کیا ۔ پُل کے نیچے سیاہ کثیف پانی سے بد رو جیسی بُو اُٹھ رہی تھی ۔پُل سے نظر آنے والے بجلی کے بلبوں ،گرد اور مدھم شور نے اگلے ہی لمحے اِن سب کا استقبال کیا ۔ساتھ ہی اُسے نامانوس بُو کا احساس ہوا ،عجیب متلی خیز بُو تھی ۔''(۱۴)

اس طرح کے مناظر،واقعات اور مشاہدات کا تذکرہ ڈاکٹر سلیم اختر آپ بیتی نشانِ جگر سوختہ میں اِسی پس منظر کے تحت ملتا ہے ۔یہ واقعات اور مناظر ڈاکٹر سلیم اختر کی حقیقی زندگی سے متعلق ہیں لہٰذا اُن پر قلم اُٹھاتے وقت انھوں نے باریک بینی،ژرف نگاہی اور تفصیل سے الفاظ کی صورت بخشی

ہے ۔ ضبط کی دیوارمیں ارشد اور اس کو دوستوں کا قصائی گلی میں جانے کے لیے پیسے اکھٹے کرنا،اُس گلی کے اندر جانا ،آپس میں ایک دوسرے سے دھکم پیل کرنا،نروس ہونا جیسے واقعات نشانِ جگر سوختہ میں معمولی ترمیم و اضافے کے ساتھ موجود ہیں ۔ڈاکٹر سلیم اختر نے ناولٹ میں قصائی اور پُل پار کے علاقے کے واقعات افسانوی رنگ میں بیان کیے ہیں اور معاشرتی تناظر میں انسانی نفسیات کی کامیاب عکاسی کی ہے جب کہ آپ بیتی میں وہی واقعات حقیقی اوربے باک انداز میں بیان کیےہیں ۔ڈاکٹر سلیم اختر ضبط کی دیوار کے واقعات اور مکانی پس منظر حوالے سے اعتراف کرتے ہیں:

''میَں نے ناولٹ ضبط کی دیوار میں اپنے کالج کا ماحول ،دوستوں اور پُل پار کی طوائف کے کردار استعمال کیے تھے۔ یہی نہیں بل کہ پیش لفظ میں اس کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ افسانوی رنگ بھرنے اورکہانی ساخت کرنے سے قطع نظر باقی سب جزیات اور کوائف حقیقت پر مبنی تھے ۔''(۱۵)

ڈاکٹر سلیم اختر، حقیقت نگار بل کہ واقعیت نگار ہیں ۔ انھوں نے حقیقی زندگی کی تلخ تجربات تخلیقی چابک دستی اور کمال ہنر مندی سے ،بے کم وکاست بیان کر دیے کہ وہ تمام واقعات اور مناظر آنکھوں کے سامنے پھرجاتے ہیں۔ معروف ادیب، ا ے حمیدضبط کی دیوار کی پہلی اشاعت کے فلیپ پر اسی جانب اشارہ کناں ہیں:

''سلیم اختر کا ناولٹ ضبط کی دیوار پڑھتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ان تجربات کا اعادہ کر رہاہوں۔ یہ ان کے بیان کی پختگی اور موضوع کے ساتھ سچے حسنِ سلوک کی دلیل ہے ۔سلیم اختر نے کہانی کے ہر کردار کے ساتھ عدل کیا ہے۔ نفسیات شناس ہونے کی حیثیت سے انھوں نے کہانی کے بہاؤ میں کہیں بھی تحلیلِ نفسی کے دُوراذکار روڑے نہیں اٹھکاے بل کہ پلاٹ او ر کرداروں کو خود ان کی نیچرل نفسیات کے حوالے کردیااور ان کی تعمیر ایک خاص فضا میں اپنے آپ تکمیل کے مراحل طے کرتی چلی گئی ہے۔ایک انتہائی خطر ناک موضوع پر لکھتے ہوئے وہ کسی جگہ بھی ابہام یا اشتعال کا شکار نہیں ہوئے ۔بڑی ماہرانہ چابک دستی اور پوری گرفت کے ساتھ وہ کٹھن سے کٹھن مقام سے آسانی سے گزر گئے ہیں۔تسبیح، اذان کی آواز، پل پار کا گناہ آلود ماحول اور ارشد کے شعور کا تحت الشعور سے قدم قدم پر تصادم ___یہ بڑے بڑے ہمالیہ تھے جنھیں مصنف یکے بعد دیگر سر کرتا چلا گیا ہے۔''(۱٦)

ڈاکٹر سلیم اختر نے 1951ءکے پاکستان کی معاشرتی ابتری اور اخلاقی بے راہ روی کا جو نقشہ، 1977ءمیں ضبط کی دیوار میں کھینچا تھا ،موجودہ دور کا افسانہ نگار اُس طرح کی بے باکانہ اور بے خوف اظہار سے پہلے کئی بار سوچے گا۔انھوں تمام مشاہدات و واقعات بے کم و کاست بیان کر دیے ۔لوگوں کا منافقانہ طرزِ عمل ،اندروں اور بیرون شخصیت کے تضادکی واضح تصویر اس میں موجود ہے ۔

ناولٹ کی ایک بڑی خوبی اس کا توازن ہے ۔یہ توازن پلاٹ ،مکالموں ،الفاظ کے چناؤ اور واقعات کے بہاؤ میں نظر آتا ہے ۔ناولٹ میں موجود کہانی ہموار طریقے سے آگے بڑھتی ہے ۔اس کے کردار مختلف النوع نفسی،جذبی پیچیدگیوں سے گزرتے ہیں لیکن عدم توازن کا شکار نہیں ہوتے ۔یہی توازن اس کے اظہار میں بھی ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد،اِس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جنسی معاملات کے بیان میں بڑے بڑے خود رفتہ ہو جاتے ہیں اور ایسی ایسی جملہ بازی کرتے ہیں کہ اصل کہانی یک طرف رہ جاتی ہے ،سلیم اختر ایسے مشکل مر حلوں سے بھی آسانی سے گزر جاتے ہیں اور یہ توازن ہی کی خوبی ہے جو انھیں بچا لے گئی ہے ۔''(۱۷)

ناولٹ کا مرکزی کردار طوائف ہے۔اس کی نفسیاتی پیچیدگیوں اور ہیجانی کیفیات پر ناولٹ کا تانا بانا بُنا گیاہے۔ اصغر ندیم سید کی رائے اس کے برعکس ہے، ان کا موقف ہے:

''ایک تو اکثر جنسی نفسیات کے قصوں میں طوائف کا سہارا ضرورلیا جاتا ہے ۔اگر طوائف کو اس میں شامل نہ کیا جاتا اور اگرشامل کیا بھی جاتا تو اس کا طوائف سے مامتا تک کا سفر نہ دکھایا

جاتا تب بھی ارشد کی پرابلم خوبی کے ساتھ بیان کی جاسکتی تھی ۔طوائف کے کردار کا یک دم فلیش کرجانا کہانی کے مجموعی ٹیمپو کو تھورا سا جھٹکا لگاتاہے۔''(۱۸)

میری رائے اصغر ندیم سید کی رائے سے مختلف ہے ۔میرا خیال ہے کہ سلیم اختر نے طوائف کو ناولٹ میں مرکزیت دی ہے اور ارشد کے کردار کو طوائف کے اندر چھپے انسان اور بالخصوص مامتا کے فطری جذبے کے اُبھار کے لیے استعمال کیا ہے لہٰذا یہاں مرکزیت طوائف کے کردار کی ہے ارشد کے کردار کی نہیں ۔اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے فائق ہے ،جو بتاتے ہیں:

''ارشد کٹڑ مذہبی ماحول میں پیدا ہوا تھا،اس کی تربیت کی راستی نے اسے پراگندہ صفت عورت کو ماں کے روپ میں دیکھنے کی اجازت نہیں دی ۔بھلا وہ ایک طوائف کو ماں جیسی مقدس ہستی کا درجہ کیسے دیتا ؟ پھر یہ طوائف امراؤ جان ادا'جیسی بھی ناتھی بل کہ ایک پیشہ ور تھی جو دو پیسوں کے عوض بِکنے والی تھی۔جس گندگی بھرے ماحول میں وہ رہائش پذیر تھی وہاں ارشد کا اسے بطور ماں قبول کر لینا ممکن نہ تھا۔یہ ناولٹ بنیادی طور پر طوائف کا المیہ ہے جسے معاشرے میں انسان نہیں سمجھا جاتا ،نہ ہی اُن معاشرتی عوامل کی طرف دھیان دیا جاتا ہے جو اسے عورت سے طوائف کے درجے تک پہنچا دیتی ہے۔''(۱۹)

ناولٹ کا عنوان ضبط کی دیوار بذاتِ خود بھی ایک علامت ہے جو ناولٹ میں مختلف مواقع پر استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ضبط کی ایک دیوار، مرکزی کردار ارشد کے داخل میں ہے؛جس نے اس کے خارجی ماحول اور تربیت کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر رکھی ہے ۔ایک دیوار وہ ہے جو طوائف کے من میں مچلتی مامتا اور ارشد کے درمیان کھڑی ہوجاتی ہے ؛جب کہ ایک دیوار، اس ضبط کی ہے جب ارشد، طوائف کے سامنے کھڑی کر کے اپنے ماحول میں لوٹ جاتا ہے۔ ضبط کی یہ دیواریں ہمارے معاشرے میں جابہ جا موجود ہیں جو معاشرے کے منضبط طرزِ زیست میں ممدومعاون بنی ہوئی ہیں۔

ضبط کی دیوارکا اختتام جس انداز میں ہوا ،ڈاکٹر سلیم اختر نے اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے ۔آیا ارشد کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا ؟طوائف کی مامتا کو دھتکارنا ارشد کادرست اقدام تھا یااُسے طوائف کے اندر چھپی مامتا کا احترام کرتے ہوئے اُس کی جذباتی آسودگی کا سامان بہم پہچانا چاہیے تھا ؟ ڈاکٹر طاہر تونسوی اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''ارشد اپنے اس فیصلے میں حق بجانب تھا ۔اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں بل کہ ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ارشد کے گھریلو ماحول پر نظر دوڑانی ہو گی۔ کٹر مذہبی گھرانے کی وجہ سے ارشد کو ایسے کاموں کی اجازت ہی نہیں۔ ارشد''قوال پارٹی''میں اپنی مرضی سے نہیں بل کہ حادثاتی طورپر شامل ہوا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک اپنے آپ کو ایڈجسٹ نہیں کر سکا ۔پھر وہ طبعی میلان کی وجہ سے اپنے اندر اتنی ہمت بھی نہیں رکھتا کہ ایسی حرکات کرے جن سے اس کی یا اس کے خاندان کی بد نامی ہو۔''(۲۰)

ضبط کی دیوار ایک ایسی علامت ہے جو ممتاکو حصار میں لیے ہوئے ہے ۔یہ دیوار نہایت مضبوط اور پختہ جذبوں کی اینٹوں سے بنائی گئی لیکن ،انسان بہر حال انسان ہے کہ وہ ایک حد تک ہی ضبط اور برداشت کے رویوں کو برقرار رکھ سکتا ہے کہ وہ اپنے جذبوں کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے اور آخر کار وہ ضبط کی دیوار ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں اس کہانی کے اختتام پر ہ دیوار جس انداز میں دھڑام سے گرتی ہے ،یہ فطرتِ انسانی کی بھر پور عکاس ہے۔

جس مذہبی اور سماجی پس منظر میں ارشد کا کردار پیش کیا گیا ہے اُس کے حوالے سے ارشد کا یہ ردِ عمل فطری لگتا ہے ۔ کیوں کہ یہی اس کے گھریلو ماحول اور تربیت کا تقاضا تھا ۔وہ جس ماحول میں پلا بڑھا تھا اُس کے تحت وہ کبھی بھی اُس طوائف کا مقابلہ اپنی ماں سےنہیں کرسکتا تھا ۔گندگی اورغلاظت ،بد بودار اورمتعفّن ماحول میں گلی سڑی طوائف کا ایک فرشتہ صفت ،پاک دامن،نیک طینت اور اُجلی اُجلی ماں سے تقابل کہاں ممکن تھا ؟ارشد کا طرزِعمل فطرت کے عین مطابق بھی تھا ۔طوائف کے شعور اور لا شعور میں آنے کا عمل ،جس کے تحت ارشد کو اپنابیٹا تصور کر رہی تھی ،وہ بھی ایک فطری امر تھا۔ کیوں کہ پہلے وہ ایک ماں تھی ،بعد میں حالات کی چکی میں پِس کر طوائف کہلائی

،جب اُس نے ارشد کے روپ میں اپنے بچھڑے ہوئے یا مرے ہو ئے بیٹے کی شبیہہ دیکھی تو ‘‘ اکبر،اکبر’’ کہہ کر اُس سے لپٹ گئی۔ طوائف کا یہ ردِ عمل اس کی مامتا بھری فطرت کاتقاضاتھا اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھی ۔ جب کہ ارشد طوائف کو دھتکارنے میں حق بجانب تھا ۔ ضبط کی دیوار کے انجام پر مستنصر حسین تارڑ کو اعتراض ہے ۔وہ‘‘ دیوارِسلیم’’کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

’’مجھے کتاب کے اختتام پر اپنے متعصب نکتہ ِ نظر کے حوالے سے اختلاف ہے ۔میَں سجھتا ہوں کہ سلیم اختر ایسے دلیر لکھاری نےیہاں پر کمپروما‏ئز کیا ہے ۔ہمارے بیش تر لکھنے والے جنس کے بارے میں کُھلے لفظوں میں لکھتے جارہے ہیں مگر اختتام پر کہانی کوSum Up کرتے ہوئے قدرے خوف زدہ ہو کر نفسی جنس کے اُصول پر کارفرما ہوکرکسی ایسے رشتے کی گرہ لگا دیتے ہیں جس سے پورا فسانہ ہماری سوسائٹی کے بوگس رویوں کے تحتJustify کرتے ہو جاتا ہے ۔طوائف کو آخر میں ماں کا روپ دےکرسلیم اختر نے بھی ظلم کیا ہے ۔ایک نوجوان لڑکے کے لیے اگر ایک طوائف کے جنسی خواہش تک محدود رہتے۔کیا یہ زیادہ فطری بات نہ ہوتی ؟‘‘(۲۱)

دراصل ایک طوائف کا اپنے گاہک کو اپنے بیٹے کے روپ میں دیکھنا بظاہرایک غیر فطری سی بات نظر آتی ہے اور اِسی غیر فطری انجام پر مستنصرحسین تارڑ معترض ہیں ۔لیکن افسانہ نگار کی سوچ کی ندرت اور تخلیقی انفرادیت سے انکار نہیں کہا انہوں نے طوائف کے من میں چھپی مامتا کو جذباتی زاویہ دے کر عام فہم افسانوی موضوع کو خاص بنا دیا ۔

ناولٹ کے پلاٹ کو نہایت مربوط انداز میں ترتیب دیا گیا ہے ۔واقعات کے درمیان کہیں بھی کوئی خلا موجود نہیں جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ کوئی واقعہ یا حصہ ،واقعاتی تسلسل میں بھرتی کر دیا گیا ہو ۔یہی وجہ ہے کہ ہر واقعہ ،قصہ کے بنیادی خیال تک لے جانے کے لیے سیڑھی کا کام دیتا ہے اور آخر کار وہ منزل آجاتی ہے جو ناول نگار کے ذہن میں آخری منزل تھی اور ارشد کے رد عمل سے کہانی کو ایک فطری اختتام دےدیا جاتا ہے ۔تاہم اس اختتام کے فطری ہونے کے باوصف قاری کچھ عجب طرح کے عدم اطمینان کا شکار ہو جاتا ہے ،اُسے یہ تو باور کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ ایک نوجوان اپنے ماضی کے پس منظر میں ،ایک فطری رد عمل سے گزر رہا ہے مگر وہ ایک آئیڈیل صورتِ حال کی تشکیل کی آرزو کرتا ہے اور یہ صورت ِحال اتنی آئیڈیل بھی نہیں کیوں کہ کہانی میں اِس بات کی گنجائش نہیں رکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی کردار تبدیلی کے عمل کو قبول کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے راہ ہموار کی جائے لیکن ڈاکٹر سلیم اختر نے طوائف کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش نہیں کی اور جس انداز میں طوائف ارشد سے چمٹ گئی ،یہ توایک حملہ تھا جس نے ارشد کو بد حواس کر دیا ۔وہ اس ردعمل کے لیے قطعاَ تیار نہیں تھا ،یہی وجہ ہے کہ اُس نے طوائف کے من میں پوشیدہ ممتا کو ٹھکرا دیا ۔یہاں واضح طور پر ایک منصوبہ جاتی کہانی کا تاثر قاری قبول کرتا ہے ۔ناول نگار اپنے اس منصوبہ کو بے نقاب ہونے سے نہیں روک سکا کہ کرداروں کے درمیان عدم مفاہمت کی پالیسی پر گامزن ہے ۔اس اعتبار سے کہانی گویا طے شدہ طریقہ کار کے مطابق آگے بڑھی اور ناول نگار نے اپنی مرضی کا انجام لانے کے لیے پس منظر کی تشکیل بھی اسی انداز میں سے کی ۔

واقعات اور کرداروں کے انتخاب میں بھی ان کا تجربہ ،اپنا اظہار کرتا ہے ۔کالج کے طلبا کا انتخاب ، تعلیم کا طریقہ کار اور تعلیمی ماحول کی عکاسی، طلبا کی شرارتیں ،اُن کے مکالمات، حرکات و سکنات ،موضوع کا انتخاب اور اس کی پیش کش ، بنیادی طور پر کہانی کار کی ذہنی ساخت اور معاشرتی روابط میں اس کے کردار،رویے اور رد عمل کا اظہار ہے ۔شخصیت جس سماجی،معاشرتی پس منظر میں تکمیل کے مراحل طے کرتی ہے وہ جبریت کی ایک ایسی مثال ہے جس پر فرد کا کوئی اختیار نہیں ، چناں چہ کسی بھی موضوع کو شخصیت کا عکس قرار دینا ،ایک عام نفسیاتی رویہ ہے، اس حوالے سے کسی بھی کہانی کار کو الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ موضوعات کے چناؤ میں اعلیٰ و ادنی کے درمیان تفریق روا نہیں رکھتا ؟ لاشعوری عمل کو اگر تخلیق کی بنیاد قرار دیاجائے تو پھر کہانی

کار کے لیے اس دباؤ کو یکسر مسترد کر دینا ممکن نہیں کیوں کہ فن ایک لاشعوری عمل ہے اور فن کا ر انتخابی عمل سے گزرتا ہے ، چناں چہ تخلیق کار کے تخلیقی عمل کو شعور اور لاشعور میں تلاش کرنا چاہیے ۔اس اصول کا اطلاقضبط کی دیوارپر کیا جائے تو ڈاکٹر سلیم اختر کے لاشعور میں پوشیدہ اس نقطے نے ضبط کی دیوار کی صورت میں تشکیل پایا ہے اور طوائف کے اندر کی عورت کے مادرانہ جذبات ابھار کر، ناولٹ کو عام سے خاص کے درجے پر لاکھڑا کردیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اس عربی ترجمے کا "مقدمہ الراجع"مشہور مصری ادیب جلال السعید الحفناوی نے قلم بند کیا جو قاہرہ یونی ورسٹی مصرمیں اردو زبان کے پروفیسر تھے۔اس مقدمے کی تلخیص و ترجمہ گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی فیصل آباد کے شعبہ عربی کی پروفیسر ڈاکٹر عمرانہ وسیم نے کیاہے۔(ڈاکٹر عمرانہ وسیم ،"مقدمہ:ضبط کی دیوار"،مشمولہ اجرا:16، کراچی، ص170)
۲۔ ڈاکٹرسلیم اختر، نشانِ جگرِ سوختہ (آپ بیتی)،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز ،2004ء،ص۱۰۱
۳۔ شاہین مفتی "تیرھواں بُرج " مشمولہ ماہنامہ وجدان لاہور: مارچ 2009ء،ص ۳۳
۴۔ ضبط کی دیوار مشمولہ نرگس اور کیکٹس ، لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز ،2004ء،ص 762
۵۔ رشید امجد،"ضبط کی دیوار" مشمولہ ڈاکٹر سلیم اختر:شخصیت اور تخلیقی شخصیت،ترتیب وتہذیب،ڈاکٹر طاہر تونسوی، لاہور:گورا پبلشرز 25 لوئر مال ،1995ء، ص 361
۶۔ نرگس اور کیکٹس،ص 782 -783
۷۔ قمر عباس ندیم،" ضبط کی دیوار"، مشمولہ افکار ،کراچی:1977ء،ص70
۸۔ مرزا ادیب،"ضبط کی دیوار"، ،ہفت روزہ امروز،اشاعت ۳، لاہور:13 جنوری1978ء،ص۳
۹ ۔ نرگس اور کیکٹس ،۷۷۷
10۔ ایضاً ،ص ۷۷۷
۱۱۔ ایضاً ،ص 778
12۔ ایضاً ،ص 778
13۔ ڈاکٹرسلیم اختر کی راقمتہ الحروف سے ٹیلی فونی گفتگو ،مورخہ:۲ جنوری 2018،شام چھ بجے
14۔ نرگس اور کیکٹس،ص764
15۔ ایضاً ،ص ۱۰۱
16۔ اے حمید ،ضبط کی دیوار ،لاہور:مکتبہ عالیہ ،ایبک روڈ (انار کلی)،1976ء،فلیپ
17۔ رشید امجد، "ضبط کی دیوار"،مشمولہ ڈاکٹر سلیم اختر :شخصیت اورتخلیقی شخصیت، ص ۳۶۳
18۔ اصغر ندیم سید ،" ضبط کی دیوار"،ماہنامہ ماہِ نو ،لاہور:1978ء،ص58
19۔ ڈاکٹرسلیم اختر کی راقمتہ الحروف سے ٹیلی فونی گفتگو ،مورخہ:۴ جنوری 2018ء،دن ایک بجے
20۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی ،ہم سفر بگولوں کا ،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ،1985ء، ص201
21۔ مستنصر حسین تارڑ ،" دیوار ِ سلیم" مشمولہ ڈاکٹر سلیم اختر:شخصیت اورتخلیقی شخصیت، ص 367-368